ڈاکٹر حافظ ظہور احمد اظہر

شیخ منوّر الدین لاہوری

مغلیہ دورِ حکومت میں لاہور کے خطّۂ مردم خیز نے جو علمی گھرانے پیدا کیے، ان میں سے ایک مولانا شیخ منور الدین لاہوری کا خاندان بھی تھا۔ اس علمی خاندان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ پانچ پشتوں تک اس گھرانے میں علم و فضل کا ورثہ باپ سے بیٹے کو مسلسل منتقل ہوتا رہا اور سرزمین لاہور کا یہ علمی خانوادہ علوم و معارف کے مرجعِ فیضِ عام ہونے کے علاوہ زہد و تقوی اور طریقت و تصوف میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہا۔ چنانچہ شیخ منوّر کے فاضل و متقی فرزند مولانا شیخ کبیر سے لے کر ان کے جدِّ اعلیٰ مولانا شیخ سلیمان بن اسرائیل لاہوری تک اس خانوادے نے ایک سے ایک بڑھ کر مسلسل پانچ اصحابِ علم و فضل اور باکمال بزرگ پیدا کیے لیکن جو شہرت و فضیلت شیخ منوّر الدین لاہوری کو حاصل ہوئی اور تاریخ میں جو یادگار علمی کارنامے انھوں نے انجام دیئے وہ اس خاندان کے دیگر اہلِ کمال کو انجام دینے کا موقع نہ ملا۔ مغل شاہنشاہ جلال الدین اکبر کے غیظ و غضب کے سامنے جو اہلِ علم سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے اور راہِ حق میں تن من دھن کی بازی لگا دی ان میں شیخ منوّر کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔[۱]

شیخ منوّر الدین لاہوری کے جدِّ اعلیٰ شیخ سلیمان بن اسرائیل لاہوری بھی اپنے عہد کے ایک ممتاز عالمِ دین اور صوفی تھے۔ وہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت اور شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی کامل تھے۔ شیخ سلیمان نویں صدی ہجری کے اواخر میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیخ صدر الدین حلیم وغیرہ سے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔ وہ ایک مدّت تک شہر لاہور اور گرد و نواح کے تشنگانِ علم کو اپنے فیض سے سیراب کرنے کے علاوہ طالبانِ حق کے رشد و ہدایت کو بھی مستفید کرتے رہے۔ شیخ مذکور نے حج بیت اللہ اور زیارتِ حرمین کی خاطر سات مرتبہ بلادِ عرب کا سفر کیا۔ شیخ کے زمانے میں سرزمین پنجاب

---

[۱] اذکار ابرار ص ۲۰۴، منتخب التواریخ ۳: ۱۰۶، نزہۃ الخواطر ۴: ۱۲۹، ۵: ۱۱۴، مرآۃ العالم ص ۵۳

[illegible] نقوش لاہور نمبر

میں گکھڑ قوم کو بڑا عمل دخل حاصل تھا۔ ہندوستانی راجپوتوں کا یہ گروہ بھی شیخ سلیمان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھا۔ یہ لوگ شیخ کی عظمت و فضیلت کے بہت معترف تھے اور ان سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ سلیمان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ عبدالشکور، بعد ازاں شیخ سلیمان کے پوتے اور ہمارے شیخ منورالدین لاہوری کے والد ماجد اور شیخ عبدالشکور مذکور کے بیٹے شیخ عبدالمجید اپنے خاندان کی مسند علم و طریقت پر متمکن ہوئے[1]

شیخ منورالدین کے ایک بیٹے شیخ کبیرالدین جو کتب تذکرہ میں شیخ کبیر بن منور لاہوری کے نام سے مذکور ہیں، اپنے فاضل باپ کی طرح بڑے ذہین اور باکمال آدمی تھے۔ شیخ کبیرالدین لاہوری ایک ممتاز عالم دین اور پرہیزگار صوفی شیخ سعداللہ اسرائیلی لاہوری کے داماد تھے۔ بدایونی نے شیخ کبیر کے علم و فضل کی بڑی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنے والد کے صحیح جانشین اور صاحب کمال نوجوان تھے۔ علوم متداولہ اپنے والد ماجد اور اپنے خسر بزرگوار سے حاصل کیے تھے لیکن باایں ہمہ افیون نوشی، رعونت اور دروغ گوئی کی بھی عادت تھی۔ بدایونی نے شیخ کبیر کا ایک خط بھی نقل کیا ہے جو انھوں نے صوبہ مالوہ میں اپنے والد کے ہمراہ قیام کے اثنا میں بدایونی کو لکھا تھا۔ یہ خط ان کے علم و فضل کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی زبان سے ان کی واقفیت اور فارسی انشا پردازی میں کمال کی بھی دلیل ہے۔ خط کو شیخ کبیر نے عربی کے اس شعر سے شروع کیا ہے :۔

کان لی قلب اعیش بہ   فضاع منی تقلبہ

میرا دل تھا جس کی دھڑکن کے سہارے زندہ تھا، مگر اب تو اس کی دھڑکن اور بے قراری جاتی رہی ہے[2]

بختاور خان نے بھی شیخ کبیر کے علم و فضل کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ "شیخ کبیر فاضل مستعد بود و کتب عقلیہ و نقلیہ باقتدای درس می گفت، در سنہ ہزار و بیست و شش (۱۰۲۶ھ) ہجری در احمد آباد بعالم بقا خرامیدہ در مزار فائض الانوار خاندانش در زمرۂ خدام مدفون گردید"[3]

الغرض شیخ منورالدین لاہوری اسی علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کے بڑوں اور چھوٹوں کے

---

[1] نزہۃ الخواطر ۴ : ۱۲۹ ؛ اذکار ابرار، ص ۴۷۳

[2] منتخب التواریخ ۳ : ۱۰۶   [3] مرآۃ العالم ص ۱۳۱

ذکرسے اوراقِ تاریخ بھرے پڑے ہیں۔ شیخ کی تاریخ پیدائش کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھی، لیکن اندازہ یہی ہے کہ وہ دسویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ اس کی تائید دو واقعات سے ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ملتان کی لنگاہی سلطنت کی تباہی کے بعد مولانا سعداللہ ملتانی ثم لاہوری جب سرزمین لاہور میں وارد ہوئے تو شیخ منوّر نے نہ صرف ان سے علمی استفادہ کیا بلکہ ان کی ایک بیٹی سے شیخ کی شادی بھی ہوئی۔ اس لحاظ سے ۹۳۰ھ اور ۹۴۰ھ کا زمانہ شیخ منوّر الدین کے عنفوانِ شباب کا زمانہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح اکبر جب لاہور آیا تو شیخ منوّر کے علم وفضل کے بڑے چرچے تھے۔ اس لحاظ سے شیخ کو سندِ فراغت لے کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوتے کافی عرصہ گزر چکا ہوگا۔

شیخ منوّر الدین کے اساتذہ میں مولانا سعداللہ ملتانی (متوفی ۹۹۰ھ) کے علاوہ اُن کے دادا مُلّا عبدالشکور لاہوری، والد عبدالمجید لاہوری اور شیخ ابواسحاق بن حسین قادری لاہوری متوفی ۹۸۴ھ بھی شامل ہیں۔ شیخ ابواسحاق، شیخ داؤد بن فتح اللہ جھنی وال کے مریدِ خاص اور شاہ ابوالمعالی لاہوری کے مقرب احباب میں سے تھے۔ وہ تفسیرِ قرآن کے ماہر، زاہد، متقی اور صوفی منش عالمِ دین تھے[1]

شیخ منوّر الدین لاہوری بیس سال کی عمر میں علوم متداولہ کی تکمیل کر کے لاہور میں مسندِ تدریس پہ متمکن ہو گئے تھے۔ بقول بختاور خان[2]: "بدعا جدو استاد در بیست سالگی از تحصیلِ علوم فارغ شد"۔ شیخ موصوف قرآن کریم کے حافظ تھے اور قرأت و تجوید کے زبردست ماہر قاری تھے۔ بختاور خان کا بیان ہے کہ شیخ منوّر الدین لاہوری نے قرآن کریم کو سات مشہور قرائتوں کے مطابق حفظ کیا تھا۔ "و قرآن مجید با قرائتِ سبع محفوظ او بود"۔ قرأت اور تجوید کے علاوہ جن علوم میں شیخ کو کمال حاصل تھا، ان میں علم تفسیر، اصول فقہ اور معقولات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

تفسیر بیضاوی بلادِ عرب کی درسگاہوں کے علاوہ ترکی اور اسلامی ہند کے علما کے ہاں بہت مقبول رہی ہے۔ اس مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب دنیا کے علما نے جہاں کئی ایک شروحات اس تفسیر کے لیے مختص کی ہیں، وہاں ترکی اور اسلامی ہند و پاکستان کے علما نے سینکڑوں شروح اور حواشی لکھ کر

---

[1] نزہۃ الخواطر ۴: ۷،

[2] مرآۃ العالم ص ۵۳۱،

علامہ بیضاوی کی عظمت و فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ ہماری درسگاہوں میں یہ تفسیر آج بھی اسی طرح مقبول ہے، جس طرح شیخ منوّر الدین لاہوری کے زمانے میں مقبول تھی۔ شیخ موصوف کو تفسیر بیضاوی پر جو عبور حاصل تھا، اس کا اندازہ ایک تو بختاور خان کے اس قول سے ہوتا ہے کہ "قوت حافظہ قوی داشت کہ اکثر تفاسیر در خاطر داشت بود خصوصاً تفسیر بیضاوی" اور دوسرا وہ دلچسپ مناظرہ ہے، جو جلال الدین اکبر کے دربار میں شیخ منوّر الدین اور مولانا شاہ محمد شاہ آبادی کے درمیان ہوا اور جسے محمد بن الحسن نے گلزار ابرار میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مولانا شاہ محمد مذکور کے ایک شاگرد حاذق حکیم شمس الدین گیلانی تھے، جنھیں معقولات اور طب میں کامل ہونے کے صلے میں "حکیم الملک" کا خطاب حاصل تھا۔ حکیم صاحب شاہی دربار میں اکثر اپنے استاذ کے فضائل و مناقب اور علمی کمالات کا ذکر کرتے رہتے تھے اور اس طرح اکبر کے درباری علما پر ان کی دھاک بٹھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اسی سلسلے میں ایک دفعہ حکیم صاحب نے اپنے استاذ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ مولانا شاہ محمد کو منتہی کتب درسیہ پر ایسے اعتراضات ہیں، جن کا کوئی حل نہیں اور جن کے جواب سے تمام علمائے وقت عاجز و قاصر ہیں۔ ان اعتراضات میں سے کچھ تفسیر بیضاوی پر بھی ہیں۔ اکبر نے حکم دیا کہ ایک خصوصی علمی مباحثہ ہو جس میں یہ اعتراضات پیش کیے جائیں اور علما میں سے جو چاہے ان کا جواب دے۔ دربار میں مولانا شاہ محمد مذکور کے علاوہ جو اہل علم موجود تھے، ان میں قاضی صدر الدین جالندھری ثم لاہوری اور شیخ منوّر الدین لاہوری بھی تھے۔ مولانا شاہ محمد نے سب سے پہلے علامہ بیضاوی کی اس فرو گذاشت پر اعتراض کیا، جو ان سے آیت "واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن" کی تفسیر کرتے ہوئے سرزد ہوئی ہے۔ شیخ منوّر الدین لاہوری نے سب سے پہلے معترض سے ان کے اعتراض کی تفصیل سنی اور پھر فرمایا کہ ضمیر کے راجع اور مرجع میں مفسّر سے معمولی تساہل ہوا ہے ورنہ آپ کا اعتراض بالکل بے محل ہے۔ حکیم الملک پر شیخ کی یہ جرأت ناگوار گزری اور وہ بڑے نامنصفانہ اور گستاخانہ انداز میں شیخ منوّر الدین سے گفتگو کرنے لگے۔ اس پر شیخ منوّر الدین لاہوری نے بادشاہ سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے جواب کے دلائل بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ قرعہ اندازی سے دربار میں موجود اہل علم میں سے کسی کو حَکَم اور منصف مقرر کر دیجیے۔ اتفاق سے قرعہ فال قاضی صدر الدین کے نام نکلا۔ شیخ منوّر الدین نے اپنے جواب کو جس مدلّل انداز میں بیان کیا تو تمام درباری اہل علم عش عش کر گئے اور قاضی صدر الدین نے تو اپنا فیصلہ دیتے ہوئے

فرمایا: - انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر آج خود مصنف قاضی ناصر الدین بیضاوی یہاں موجود ہوتے تو وہ بھی شیخ منور کے کمالِ ذہانت اور طبعِ دُوررس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکتے[۱]

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ منورالدین نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تشنگانِ علم و معرفت کو مستفیض کرنے میں صرف کیا۔ نظام الدین احمد طبقاتِ اکبری میں شیخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: - "ملا منور از دانشمندانِ وقت است و سالہا بافادہ اشتغال داشت[۲]" محمد بن الحسن کا قول یہ ہے کہ مسلسل چوالیس سال تک وہ درس و افتا میں مشغول رہے۔ اُن کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ جمعہ کو بھی تعطیل نہیں کرتے تھے بحیثیت استاد اور مدرس ان کی شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عزیز الحق بن شیخ عبدالعزیز دہلوی جو قطب الدین اور قطبِ عالم کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں، جب لاہور وارد ہوئے تو شیخ منور سے استفادہ کیے بغیر واپس جانا نامناسب خیال کیا۔ ان کی درسگاہ میں حاضر ہو کر ان سے اصولِ فقہ کی کتاب تلویح کا درس لیا اور ایک مدت تک ان سے استفادہ کرنے کے بعد دہلی واپس ہوئے[۳]

عضد الدولہ علامہ عصر حکیم فتح اللہ شیرازی عہدِ اکبری کی چند برگزیدہ، ممتاز اور بلند پایہ شخصیات میں سے تھے، ۹۹۰ھ میں جب وہ دکن سے دربارِ اکبری میں پہنچے تو شیخ منورالدین لاہوری پہلے سے وہاں موجود تھے۔ وہ ممتاز درباری علما میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بادشاہ بھی ان کے علم و فضل کا بڑا معترف اور قدرداں تھا۔ بقول بختاور خان[۴]: "چوں صیت فضیلتش بسمع عرش آشیانی رسید او را طلب نمودہ در سلک فضلائے یگانہ سعادت منسلک گردانیدند، و بپایہ عزت و احترام رسیدند[۵]" حکیم شیرازی شیخ سے مل کر بہت متاثر ہوئے اور اُن کے علم و فضل اور خداداد صلاحیت کے اعتراف کے طور پر کہنے لگے: "سیر ہند کرتے ہوئے ایک مدت گزر گئی، اس مدت میں آج پہلی بار میرے اندر دماغ میں شیراز کی مہک پہنچی ہے"۔ بات در اصل یہ تھی کہ ہم جس دور کی بات کر رہے ہیں، اس دور میں

۱؎ اذکار ابرار، ترجمہ گلزار ابرار، ص ۳۷۴۔

۲؎ نزہۃ الخواطر ۵: ۳۱۱، اذکار ابرار ص ۳۷۴

۳؎ مرآۃ العالم ص ۵۳۱ ۵؎ اذکار ابرار ص ۳۷۴

سرزمین شیراز علوم و معارف کا گہوارہ تھا اور منطق و فلسفہ اور حکمت و معقولات کے بے مثال مرکز کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ میر فتح اللہ شیرازی اسی مہک کی آرزو لیے بلادِ ہند میں پھرتے رہے تھے۔ وہ جب آگرہ میں شیخ منوّر الدین لاہوری سے ملے تو عقل و دانش کی باتیں ہوئیں اور کئی ایک مشکل اور لاینحل مسائل بھی حل ہو گئے۔ چنانچہ حکیم شیراز سرزمین لاہور کے اس مردِ دانا و بینا کے علم و فضل کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

شیخ منور جب صوبہ مالوہ کے عہدۂ قضا سے سبکدوش ہوئے تو اسی صوبے کے شہر سارنگ پور میں ایک عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۹۹۰ھ میں فتح اللہ شیرازی کو صوبہ مالوہ کا منصب صدارت عطا ہوا تو وہ سارنگ پور سے گزرے۔ شیخ منور الدین لاہوری نے مقدمۂ طوالع کی ایک شرح لکھی تھی جسے وہ اپنی سخن آفرین طبیعت کا حاصل خیال کرتے تھے۔ یہ شرح انھوں نے فتح اللہ شیرازی کو دکھائی۔ شیرازی نے دوسرے روز شیخ سے برینائے رشک کہا کہ شرح تو اچھی ہے لیکن میں نے اس پر چند اعتراضات وارد کیے ہیں۔ شیخ نے کہا: ذرا سنائیے تو سہی کون سے اعتراضات ہیں وہ؟ شیرازی نے کہا ابھی میں نے اپنا مسودہ صاف نہیں کیا۔ آپ کسی کو میرے ہمراہ کر دیجیے میں کسی منزل پر پہنچ کر صاف کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ شیخ منور کا بھیجا ہوا آدمی دو تین منازل کے بعد جواب کے بغیر واپس آ گیا۔[5]

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے جلال الدین اکبر نے شیخ منوّر الدین کو ان کے علم و فضل کی بنا پر دربار شاہی کے سلفۂ علما میں شامل کر لیا تھا۔ ۹۸۵ھ میں صوبہ مالوہ کا منصب قضا ان کے سپرد ہوا۔ شیخ نے اپنے حسنِ تدبر اور انتظامی قابلیت کی بنا پر سب کے دل جیت لیے۔ علما، صوفیہ اور رندانِ میکدہ، عشاقِ نظرباز سے اس ہمدردگی سے پیش آئے کہ سب دعائیں دینے لگے تھے۔ تقریباً دس سال بعد یعنی ۹۹۵ھ میں اس منصب سے معزول کر دیے گئے۔ علما و مشائخ پر جب عتابِ اکبری نازل ہوا تو انھیں قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔ بادشاہ کے حکم سے ان کا ذاتی کتب خانہ جو اُن کی تصانیف کے علاوہ پانچ سو نادر کتب پر مشتمل تھا اور ان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا گیا، سوائے تفسیر قرآن "الدر النظیم" کے اور کوئی کتاب محفوظ نہ رہی۔ مسلسل پانچ سال تک قلعہ گوالیار میں نظر بند رہنے کے بعد آگرہ میں لائے گئے اور ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں ڈال

---

[5] اذکار ابرار ص ۴۴۷

دیئے گئے چند سال بعد یعنی تقریباً گیارہ سال قید و بند کی صعوبتوں کے بعد ذی قعدہ ۱۰۱۱ھ میں گمنامی کی حالت میں فوت ہو گئے۔ بعض جاننے والوں نے غربا و مساکین کے کھیتوں میں انھیں چپکے سے دفن کر دیا، پھر محرم ۱۰۱۵ھ ان کے بیٹے اپنے باپ کی نعش کو لاہور لے آئے اور آبائی قبرستان میں دفن کیا۔

شیخ منور الدین " بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ " کی پوری تصویر تھے۔ بقول محمد بن الحسن شیخ کی صورت و سیرت دلفریب اور بیان میں اور لفظ میں دلربائی بہت کچھ تھی۔ اکثر علمائے زمانہ کے جلسے میں اپنے حسنِ تقریر سے اور امر مناظرہ کو الجھاؤ سے نکال کر تحقیق کے درجے میں پہنچا دیتے تھے اور بقول مولانا عبدالحی لکھنوی: كان غاية في قوة الحفظ والادراك[1]

افسوس کہ شیخ کی تصانیف حکم اکبری سے تلف کر دی گئیں اور آج صرف ان کے نام باقی رہ گئے ہیں جن میں سے یہ قابلِ ذکر ہیں: (۱) شرح مقدمۃ لمعات، (۲) شرح بدیع البیان، (۳) شرح قصیدہ بردہ، (۴) تفسیر الدر النظیم۔ (۵) شرح مشارق الانوار۔ (۶) تعریب البحر المواج جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی فارسی تفسیر قرآن کا عربی ترجمہ ہے، (۷) الحق الصریح۔ دراصل یہ ایک مختصر رسالہ تھا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ شاتم رسول ؐ کی توبہ اور مغفرت ممکن نہیں۔ یہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری ثم لاہوری کے رسالہ کے رد میں لکھا گیا تھا، (۸) مولانا محمد الدین فوق لاہوری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر کے حکم سے شیخ منور الدین لاہوری نے ملا احمد ٹھٹھوی اور قاسم بیگ کی مدد سے مجمع البلدان (غالباً یاقوت کی معجم البلدان مراد ہے؟) کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

---

[1] اذکار ابرار، ص ۳۷۳، نزہۃ الخواطر - ۵: ۴۱۱

تصوّرات قبل اسلام : مؤلفہ عبیداللہ قدسی

اس کتاب میں جزیرہ عرب قبل اسلام کی تہذیب، ثقافت، عقاید، دینی شعائر اور ان کے ذریعۂ حیات و موت کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

قیمت: ۴/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور